* ڈاکٹر عنبرین خواجہ
** ڈاکٹر فریدہ انجم

مسلمانانِ کشمیر اور اہلیانِ پنجاب کے سیاسی، سماجی اور مذہبی تعلقات

Abstract:

The state of Jammu and Kashmir is the most beautiful region in the world. Kashmir was ruled by Mughals, Afghans, Sikhs and Dogras respectively. Kashmir have been very unluckly due to foreign rulers. Kashmiri Muslims were persecuted during Sikh and Dogra period. Due to which they left Kashmir and was exiled to India and Punjab. They people of the Punjab were also associated with these Kashmiris in many respect and love them with simpithy. These exiled Kashmiris achieved their high position in various cities in Punjab. Geographically, regiously, culturely Kashmir and Punjab were interconnected. During Dogra period there was a shortage of educated people in Kashmir. Due to which educated Punjabis started turning toward Kashmir and these Punjabi also introduced their culture and languages in Kashmir. During Dogra rule, when Muslims were religiously exploited, a movement started not only in Kashmir but across punjab. Muslim leaders not only in India but also all over the Punjab sided with the oppressed Kashmiris and ignited the Kashmir independence. So we can say that in Kashmir independence movement a large share was of the Muslims of Punjab.

Keywords: Kashmir, Dogra, Punjab, Muslims, Iqbal, Kashmir Committee, Punjabi, Urdu

اس حقیقت سے انکار کسی صورت ممکن نہیں کہ کشمیر جنت نظیر اس کرہ ارض پر دہ قطعہ فردوس ہے جو قدرتی حسن و جمال کی دلکش تصویر، سرسبز و شاداب سرزمین بے نظیر، کشمیری مسلمانوں کی درخشاں تقدیر، بڈشاہ اور دیگر سلاطین کی جاگیر، شاہ ہمدان کے خوابوں کی تعبیر، للہ عارفہ کے گیتوں کی تنویر اور حبہ خاتون کی پارسائی کی توقیر ہے۔ کشمیر وہ سرزمین ہے جہاں ہر طرف تاحدنگاہ مرغزار ہی مرغزار جلوہ گر ہیں۔ زعفران کے سنہرے سنہرے کھیت، رنگ برنگے پھولوں سے لبریز کیاریاں، ان گنت شفاف چشمے، گہری جھیلیں، ندیاں، دریا، آبشاریں، اونچے اونچے سدا بہار درخت، ان سب نے مل کر ہی اسے خلد زار بنایا ہے۔ خلد زار سے بڑھ کر وادی فردوس طلسم زار بھی ہے کیونکہ جو کوئی اس کے مسحور کن نظاروں کو دیکھتا ہے وہ پہلی نظر میں ہی کشمیر پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ قدرت نے کمال کاریگری سے اپنے حسن و جمال کی ساری رعنائی کشمیر کے حسین چہرے پر بڑی فیاضی سے بکھیر دی ہے۔ اس جنت ارضی کے مکینوں کا حسن و جمال بھی لاجواب اور بے مثال ہے۔(۱)

کشمیر کافی عرصہ تک بدھوں اور برہمنوں کے زیر اثر رہا ہے۔ کشمیر پر بالترتیب شاہمیریوں، چکوں، مغلوں، افغانوں، سکھوں اور ڈوگروں نے حکومت کی۔ کشمیری بیرونی حکمرانوں کی وجہ سے بہت ہی بدقسمت رہے ہیں۔ کشمیریوں کی ہمت و جوانمردی کو افغانوں اور مغلوں نے خاکستر کر دیا۔ سکھوں کے عہد میں مسلمانوں کے سر کی قیمت صرف ۱۶ یا ۲۰ روپے تھی۔ ڈوگرہ دور میں مزدور اور زمیندار کو بیگار پر بھیجا جاتا تھا اور مزدوری کے بدلے ان کو گالی گلوچ ملتی تھی۔ جس کی وجہ سے انہوں نے ملک چھوڑا اور جلاوطن ہوئے۔ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں اہل ثروت اور اہل علم لوگ ایک باضابطہ مہم کے تحت ڈوگرہ حکومت کے ہاتھوں کشمیر سے نکالے گئے اور یہ سلسلہ ۱۹۴۷ء تک جاری رہا اور اس پر بھارتی حکمران بھی کاربند رہے۔(۲)

متذکرہ ظلم و ستم کشمیری مسلمان وقتاً فوقتاً سہتے رہے اور پنجاب جو آج پاکستان کا حصہ ہے کے لوگ ان کی رہنمائی اور ان سے پیار کرتے رہے۔ اہلیان کشمیر اور پنجاب کا کئی حوالوں سے ہمیشہ ہی تعلق رہا ہے۔ پنجاب کے باشندے کشمیر کے قدرتی حسن و جمال سے بے حد متاثر تھے۔ کشمیری لوگ محنت مزدوری کے لیے پنجاب کا رخ کیا کرتے تھے۔ اور موسم کے لحاظ سے بھی یہ ان کے لیے ایک قدرتی پناہ گاہ بن گئی۔ اگرچہ کشمیریوں کی پناہ گاہ کشمیر سے باہر کئی سنگلاخ جگہوں پر بھی رہی پھر بھی ان لوگوں نے اپنی جوانمردی، عزم و ہمت سے دیناوی اور دینی علم و ہنر سے پنجاب کے مختلف شہروں مثلاً سیالکوٹ، گجرانوالہ، گجرات، راولپنڈی، لاہور، امرتسر اور لدھیانہ میں رہ کر اپنا مقام بلند کیا۔(۳) یعنی جب کشمیری مسلمانوں پر سرزمین کشمیر تنگ ہونا شروع ہوئی تو انہوں نے پنجاب کے علاقوں کا رخ کیا اور اس کے مختلف شہروں میں آباد ہو گئے۔ یہ نو آبادکار اپنے پیار و محبت سے ان

علاقوں کے معاشرتی، تمدنی اور مذہبی معاملات میں ایک بڑے خاندان کا اضافہ اور ورثہ بن گئے۔ بلاشبہ پنجابی مسلمانوں نے ان کشمیری لوگوں کے لیے دیدہ دل فرش راہ گئے اور ان کشمیری مسلمانوں نے بھی ان علاقوں کو گل وگلزار بنا دیا۔

کشمیر اور پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد ہی سے یک جان دو قالب چلے آ رہے تھے اور دونوں خطوں کی سیاست ایک دوسرے کو متاثر کرتی چلی آ رہی تھی۔ جغرافیائی اعتبار سے بھی کشمیر اور پنجاب ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں۔ مذہب اسلام کا رشتہ دونوں خطوں کے مسلمانوں میں پائیدار اور مستحکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل کشمیر بالخصوص جموں اور مغربی پنجاب کے مسلمانوں کے درمیان گہرے مذہبی وثقافتی روابط تھے۔

ساری دنیا کی طرح کشمیر میں بھی بدلتے حالات کے باعث تعلیم یافتہ اور ہنر مند لوگوں کی ریاستی امور چلانے اور دفتری کاروبار سنبھالنے کے لیے ضرورت پڑی۔ ریاست میں پڑھے لکھے لوگوں کی کمی تھی۔ جس کا سبب ریاست میں قابض حکمرانوں کی عوام کو ان پڑھ رکھنے کی شعوری کوشش تھی۔ اس صورتحال کا ادراک کرتے ہوئے برصغیر کے پڑھے لکھے لوگ بالعموم کشمیر کا رخ کرنے لگے۔ حکومت کشمیر کو بھی ریاستی مشینری چلانے کے لیے ایسے افراد کی اشد ضرورت تھی اور ہندوستان اور پنجاب سے لوگ کشمیر آنے لگے۔ چونکہ کشمیری عوام خاص کر مسلمانوں کو حکومت نے جان بوجھ کر ان پڑھ رکھا ہوا تھا۔ اس لئے حکومت نے انہیں اپنے مفاد کے لیے ملازمتیں دیں اور اچھے اچھے عہدوں پر فائز کیا۔ یہ لوگ اپنے ساتھ اپنی مادری زبان پنجابی اور اردو بھی لائے اور مقامی لوگوں کے میل ملاپ سے کشمیر میں پنجابی اور اردو کی ترویج کی سبیل نکل آئی۔ کشمیری مسلمانوں کی تعلیم وتربیت میں بہت سی پنجابی مسلم شخصیات کا عمل دخل ہے۔ حتیٰ کہ ڈوگرہ عہد میں اردو نے دفتری زبان کی حیثیت سے فارسی کی جگہ لے لی اور عدالتی اور درسی زبان کا بھی درجہ پایا۔ کشمیر کے ڈوگرہ راج میں ریاست کی نئی ہیت تشکیل پذیر ہوئی نتیجۃً ڈوگرہ مظالم کے باوجود کشمیر کے سیاسی وسماجی حالات کسی حد تک تبدیل ہونے لگے۔ دیگر شعبہ زندگی کی طرح یہاں بھی علم وادب کی کچھ روایات قائم ہونے لگیں اور یہ سب پنجابی مسلمانوں کی وجہ سے ممکن ہوا۔ (۴)

علامہ اقبال کے آباؤ اجداد کا تعلق بھی کشمیر سے تھا اور انھوں نے اپنے کشمیری نژاد ہونے پر ہمیشہ ہی فخر کیا ہے۔ وہ کشمیر کے سچے عاشق اور کشمیریوں کے ہمدرد دوست تھے۔ ان کی آزادی کے بہت بڑے علمبردار، ان کی غریبی اور غلامی کے ماتم گسار اور مطلق العنانیت کے خلاف کشمیریوں کی جدوجہد میں ان کے شریک کار تھے۔ ۱۸۹۶ء میں لاہور میں آباد کشمیری النسل مسلمانوں نے پنجاب بھر میں آباد کشمیریوں میں یکجہتی پیدا کرنے کے لیے انجمن کشمیری مسلمانان کی بنیاد رکھی۔ اس کے پہلے

صدر میاں کریم بخش رئیس لاہور اور جنرل سیکرٹری علامہ محمد اقبال تھے۔ اس موقعہ پر اقبال نے ایک نظم بعنوان ''فلاح قوم'' حاضرین کو سنائی۔ جسے اقبال کے جذب اندرون کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

ہزار شکر کہ اک انجمن ہوئی قائم
یقین ہے راہ پہ آئے گا طابع وارثون

کچھ عرصہ بعد اس انجمن کو وسعت دے کر اس کا نام ''انجمن کشمیری مسلمانان پنجاب'' رکھا گیا اور اس انجمن کے تعلقات ریاست بھر کے مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ پھر ۱۹۰۸ء میں اس انجمن کا نیا نام ''آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس'' رکھا گیا۔ علامہ اقبال کو اس کا پہلا سیکرٹری جنرل اور محمد دین فوق کو جوائنٹ سیکرٹری چنا گیا۔ اس کانفرنس کے اغراض و مقاصد میں دو باتیں بطور خاص شامل تھیں۔

۱۔ مسلماناں کشمیر کو تعلیم کی طرف مائل کیا جائے۔
۲۔ مسلمانوں کے سیاسی وسماجی حقوق کو یرغمال ہونے سے بچایا جائے (۵)

یہ کانفرنس گاہے بگاہے اپنے اجلاس منعقد کرتی اور ڈوگرہ حکمرانوں کو ریاستی مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر توجہ دینے کے لیے یاداشتیں اور قراردادیں ارسال کرتی تھی۔ اسی کانفرنس نے ایک طرف کشمیری مسلمانوں کی تائید وحمایت میں نام پیدا کیا۔ دوسری طرف پنجاب میں آباد کشمیری النسل مسلمانوں کو منظّم کیا۔ کانفرنس سے وابستہ بہت سے اصحاب علم وفضل نے اخبارات و رسائل شائع کرنے شروع کئے۔ ۱۹۰۹ء میں شیخ جان محمد گنائی کا اخبار کشمیر گزٹ لاہور اور محمد دین فوق کا اخبار جو کہ اسی نام سے نکالا جاتا تھا بہت مشہور ہوئے۔ جن کا مقصد کشمیریوں کے اندر بیداری کی ایک لہر پیدا کرنا تھا۔ ان اخبارات نے مہاراجہ کشمیر کی توجہ اس امر کی طرف دلائی کہ کشمیری مسلمانوں کے خلاف حکومت کی پالیسی امتیازی ہے اور انہیں جان بوجھ کر سرکاری ملازمتوں سے دور رکھا جاتا ہے۔ ان اخبارات نے یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ ریاستی مسلمانوں پر فوج کے دروازے بھی کھول دیئے جائیں۔ اس کے علاوہ پنجاب کے اندر کشمیر پبلسٹی بورڈ بھی تشکیل دیا گیا۔ جو کہ پمفلٹوں اور کتابچوں کے ذریعہ کشمیری مسلمانوں کے خلاف ڈوگرہ شاہی کی طرف سے روا رکھے جانے والے ظالمانہ اور امتیازی سلوک عوام کے سامنے لاتے تھے۔ یہ ساری کوششیں بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر اقبال کی توجہ کی مرہون منت تھی۔ اقبال فرماتے تھے کہ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ ہمارے اسلاف نے سیر و سیاحت، ترقی تجارت اور حصول روزگار کے لیے خطہ جنت نظیر سے غریب الوطنی اور جدائی کی راہ اختیار کی اور پنجاب اور ہندوستان کے مختلف مقامات میں سکونت اختیار کی۔ ہمارے اسلاف غریب الوطنی میں زندگی گزارتے رہے۔ اس بات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کشمیریوں کے اندر اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کرنے کے آرزومند تھے اور اپنی غریب الوطنی پر کتنے افسردہ تھے اور اہل کشمیر کی زبو حالی،

غلامی اور ابتری پر کتنے ناخوش تھے۔ اقبال اپنی غریب الوطنی کے بارے میں فرماتے ہیں:

موتی عدن سے لعل یمن سے ہوا ہے دور
پانامہ، غزال ختن سے ہوا ہے دور
ہندوستان میں آئے ہیں کشمیر چھوڑ کر
بلبل نے آشیانہ بنایا ہے چمن سے دور(٦)

کشمیر کے دارالحکومت سرینگر میں ریشم سازی کا ایک کارخانہ تھا جہاں پچاس ہزار مزدور کام کرتے تھے۔ جن کو یومیہ ۴.۵ (ساڑھے چار) آنے اجرت ملتی تھی۔ ان مزدوروں کی اکثریت مسلمان تھی جبکہ افسران ہندو تھے جو کہ بہت زیادہ بد دیانت تھے۔ مسلمان مزدوروں نے ان ہندو افسران کے خلاف شورش کی جس کی پاداش میں ان کے ۲۱ سرکردہ مزدور رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا۔ اس واقعہ کے اگلے دن ان مزوروں کے بیوی بچوں نے ۲۱ جولائی ۱۹۲۴ء کو ایک جلوس نکالا اور ان کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ یہ مہاراجہ پرتاب سنگھ کا دور حکومت تھا۔ اس نے گورنر کشمیر کو حکم دیا کہ اس جلوس کو بزور طاقت روکا جائے۔ چنانچہ مسلح پولیس نے ان پر لاٹھی چارج کیا اور ان پر گھوڑے دوڑائے۔ جس کے نتیجے میں سینکڑوں افراد زخمی ہوگئے۔ ریشم خانہ کے اس سانحہ کے خلاف ریاست اور ہندوستان بھر میں ڈوگرہ راج کے خلاف زبردست احتجاج ہوا۔ جب اس سانحہ کی تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ مزدوروں کے مطالبات جائز ہیں۔(٧)

۱۴ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ سیاحت کشمیر کے لیے آئے تو وہاں کے چند سرکردہ مسلمانان کشمیر نے وائسرائے ہند کو مسلمانان کشمیر کی مشکلات سے آگاہ کرنے کے لیے ایک یادداشت پیش کی جو انھوں نے علامہ اقبال اور چند پنجابی مسلم رہنماؤں کی مدد و مشورے سے تیار کی تھی۔ وائسرائے ہند نے یہ میمورنڈم مہاراجہ پرتاب سنگھ کے پاس بھیج دی۔ مہاراجہ پرتاب سنگھ نے اس میمورنڈم کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا۔ کمیشن نے مسلمانوں کی شکایات کو بے بنیاد قرار دیا۔ لیکن ریشم خانے کے مزدوروں کو اس میمورنڈم کا یہ فائدہ ہوا کہ ساڑھے چار آنے کے بجائے چھ آنے یومیہ ملنے لگی۔ دوسرا یہ کہ مسلمانان کشمیر کو اپنے بنیادی حقوق حاصل ہوئے اور دوسری طرف ڈوگرہ راج کے خلاف بہت نفرت پھیل گئی۔ یہ کامیابی کشمیری مسلمانوں کو علامہ اقبال اور ان کے ساتھیوں کے قیمتی مشوروں پر عمل کرنے کی وجہ سے ملی۔

مہاراجہ کو ان مسلمانان کشمیر پر سخت غصہ آیا جنہوں نے وائسرائے کو یادداشت پیش کی تھی۔ تو اس نے ان کے خلاف انتقامی کاروائی شروع کی۔ کچھ ممبران نے مارے خوف کے معافی مانگی۔ جبکہ کچھ ممبران کو جلا وطن کیا گیا۔ یہ لوگ چند ماہ تک لاہور میں مشہور مسلم رہنما میاں امیر الدین کی

حویلی میں قیام پذیر رہے۔ ڈوگرہ حکومت کے ان اقدام کے خلاف اندرون اور بیرون ریاست پر زور مذمت کی گئی۔ ریشم خانے کی شورش کا واقعہ تحریک آزادی کشمیر میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مسلمانان کشمیر کو یہ کامیابی اقبال کے قیمتی مشوروں پر عمل کرنے کی وجہ سے ملی تھی کیونکہ مسلمانان کشمیر کو ان کے حقوق کا شعور انہی کی وجہ سے حاصل ہوا۔ بقول اقبال:

کشیری کہ با بندگی خوگرفتہ
بتے می تراشد ز سنگ مزارے
ضمیرش تہی از خیال بلندے
خودی ناشناسے ز خود شرمسارے
بریشم قبا خواجہ از محنت او
نصیب تنش جامہ تارتارے (۸)

ڈوگرہ دور کشمیر کا سیاہ ترین دور تھا۔ ڈوگرہ حکمران کشمیری مسلمانوں کو اپنا زرخرید غلام سمجھتے تھے۔ ملازمتوں میں مسلم نمائندگی کا فقدان، مسلم معاشی استحصال، مذہبی آزادی کا فقدان، شہری حقوق کی غیر موجودگی، تعلیمی پسماندگی اور ٹیکسوں کی بہتات یہ وہ تمام مظالم تھے۔ جن کی بدولت مسلمانوں کا جینا حرام ہو گیا تھا۔ مشہور برطانوی سیاح بسکو اس صورتحال کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں؛

IF British nation had faced this oppression which the Kashmiris endured so may be we lost our manhood.(9)

ڈوگرہ شاہی کے ظلم وستم اور انسانیت سوز مظالم کے ردعمل کے طور پر ۱۹۳۰ء کے پہلے عشرے میں تحریک آزادی کشمیر کا آغاز ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حکومت کے جملہ کاروبار اور تمام شعبہ حیات پر کشمیری ہندو پنڈت چھائے ہوئے تھے جبکہ کشمیری مسلمان اس وقت ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے۔ ریاست میں ۱۹۳۱ء کے اوائل میں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جن کے نتیجے میں مسلمانان ریاست کی دینی وملی غیرت کو دھچکا لگا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ جب تک وہ خواب غفلت میں ڈوبے رہیں گے ان کے سیاسی، مذہبی، معاشی، سماجی حقوق آئے روز پامال ہوتے رہیں گے اور ان کا ہمدرد و ضامن کوئی نہیں ہو گا۔ ۱۹۳۱ء کا سال مسلمانان کشمیر کے لیے بیداری کا سال بھی کہلاتا ہے۔ اس سال جولائی سے قبل آمدہ واقعات کشمیر میں ملی بیداری کا سبب بنے۔ تحریک آزادی کشمیر میں اس وقت شدت و تیزی پیدا ہو گئی جب وادی میں ڈوگرہ حکمرانوں نے اپنے پولیس افسروں کے ذریعے مسلمانوں کا مذہبی استحصال کیا گیا۔ یہ واقعات ذیل ہیں۔

جموں میں ایک ہندو پولیس آفیسر نے مفتی صاحب کو عید کا خطبہ پڑھنے سے روکا اور

ہندوؤں نے مسلمانوں کو تالاب سے پانی لینے اور نماز عید پڑھنے سے روک دیا۔

جموں جیل میں ایک ہندو انسپکٹر نے مسلم کانسٹیبل کو پنجسورہ پڑھنے سے روکا اور اس کے بستر کے ساتھ ہی پنجسورہ کو کمرے سے باہر پھینکا۔

سرینگر کی ایک پبلک لیٹرین میں قرآن پاک کے چند مقدس اوراق ملے۔(۱۰)

ان توہین مذہب کے واقعات کے خلاف مسلمانان کشمیر نے سخت احتجاج کیا کیونکہ ان واقعات نے مسلمانوں کی دینی و ملی حمیت و غیرت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور جموں، میر پور، سرینگر اور پونچھ میں حکومت مخالف احتجاجی مظاہروں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس کی ریاستی تاریخ میں مثال نہیں ملتی ہے۔ ان واقعات کے خلاف ''ریڈنگ روم پارٹی اور سرینگر ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن'' سے وابستہ نوجوانوں نے متحرک کردار ادا کیا۔ ۲۱ جون ۱۹۳۱ء کو خانقاہ معلیٰ میں مسلمانان کشمیر کا ایک عظیم الشان اجتماع منعقد ہوا اور مسلم رہنماؤں نے اس مذہبی پابندی اور پنجسورہ کی بے حرمتی کے خلاف اظہار خیال کیا اور دھواں دار تقریریں کیں۔ جونہی یہ جلسہ ختم ہوا اچانک عبدالقدیر نامی ایک اجنبی نوجوان سٹیج پر چڑھا اور مہاراجہ کے خلاف دھواں دار تقریر کی۔ مسلمانان کشمیر میں بے پناہ جذبہ و جوش پیدا ہو گیا۔ ڈوگرہ پولیس نے عبدالقدیر کو انتشار پھیلانے کے الزام میں گرفتار کر لیا اور اس پر بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا۔ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو سنٹرل جیل سرینگر میں عبدالقدیر کے مقدمے کی سماعت کا پہلا دن تھا۔ مقدمے کی کاروائی سننے کے لیے ہزاروں کی تعداد میں مسلمانان کشمیر جمع ہو گئے اور انھوں نے سنٹرل جیل کے احاطے میں داخل ہونے کی کوشش کی اور بہت سے قیدیوں کو رہا کروایا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حکم پر پولیس نے ہجوم کو روکنے کے لیے گولی چلا دی۔ جس میں ۲۲ مسلمان شہید اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ بے گناہ کشمیریوں کے خون سے کشمیر کی دھرتی سرخ ہو گئی۔ یوں تحریک آزادی کشمیر نے زور پکڑا۔(۱۱)

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کا دن تحریک آزادی کشمیر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سانحہ کو تحریک آزادی کشمیر میں وہی اہمیت حاصل ہے جو تحریک آزادی ہندوستان میں ''جلیانوالہ باغ'' کے سانحہ کو حاصل ہے۔ ڈوگرہ حکومت نے اس سانحہ کو دبانے کی بہت کوشش کی مگر اس نے پورے ہندوستان اور خاص کر پنجاب میں زبردست اشتعال پیدا کیا۔ اس سانحہ کے بعد ایک طرف مسلم پریس اور مجلس احرار کی ہمدردیاں مسلمانان کشمیر کے ساتھ ہو گئیں دوسری جانب مہاجرین کشمیر مقیم پنجاب میں بیداری کی ایک لہر پیدا ہو گئی۔ اقبال اس مشکل گھڑی میں کشمیریوں کے ساتھ ساتھ تھے اور آپ نے ان بہادر کشمیریوں کو یوں خراج تحسین پیش کیا:

نشان یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا

کہ صبح شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
کمال صدق و مروت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہیں فطرت بھی ان کی تقصیریں (۱۴)

سانحہ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے وقوع ہونے کے بعد مسلمانان کشمیر کو یہ فائدہ ہوا کہ اس نے پنجابی مسلمانوں کے مختلف طبقوں کو مختلف انداز میں متاثر کیا۔ ایک طرف نچلے طبقے کے مجاہدین کی جماعت مجلس احرار کی ہمدردیاں کشمیریوں کے ساتھ ہوگئیں۔ دوسری طرف کشمیری مہاجرین مقیم پنجاب بھی بیدار ہو گئے اور ان میں اتحاد و یکجہتی پیدا ہوگئی جس کے نتیجے میں پنجاب کے اکثر شہروں میں کشمیریوں کی انجمنیں قائم ہوگئیں۔ خاص طور پر امرتسر اور لاہور ان انجمنوں کا مراکز بن گئے۔ ان پنجابی مسلمانوں اور ان کی انجمنوں نے تحریک آزادی کشمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اسے ایک فعال تحریک بنا دیا۔

جہاں تک برصغیر کے مسلم ترجمان اخبارات انقلاب، سیاست اور مسلم آؤٹ لک کا تعلق ہے۔ تو ان مسلم ترجمان اخبارات نے کشمیر کے ڈوگرہ حکمرانوں کے مظالم کو شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔ جسے مسلمانان برصغیر میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے کھل کر اپنے کشمیری مسلمان بھائیوں کی مدد وحمایت کی۔ ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن جموں نے حکومت کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے یہ تدبیر سوچی کہ مسلم اخبارات میں مضامین لکھ کر مسلمانوں سے کی ہوئی تمام بے انصافیوں کو بے نقاب کیا۔ لہذا نہایت راز داری سے مسلم و غیر مسلم ریاستی اہلکاروں کی تعداد اکاؤنٹ جنرل کے دفتر سے حاصل کر کے اس کی تفصیل پر روزنامہ انقلاب لاہور میں مضامین کا ایک سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ (۱۳)

یوں روزنامہ انقلاب کے ذریعے کشمیری مسلمانوں پر توڑے جانے والے ظلم وستم کے خلاف آواز بلند کی گئی اور کشمیر کی آزادی کا نعرہ لگایا۔ اس طرح پہلی مرتبہ ڈوگرہ راج کی سیاہ کاریوں اور ظلم و استبداد کا پردہ چاک ہوا۔ ان کشمیری مسلمانوں نے لاہور کے صحافی بھائیوں کی مدد لینا شروع کر دی تا کہ وہ اس طریقے سے ڈوگرہ حکومت کی ناانصافیوں کو سامنے لاسکیں۔ بقول بزاد نا گن:

> Besides the politcal struggle there is the struggle for the right of freedom of press and in this the Punjab played a large part in the Kashmir Freedom Movement from outside.(14)

جموں کے عبدالمجید قریشی نے سیالکوٹ میں ''ترجمان کشمیر'' کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار

جاری کیا یہ اخبار بھی صحیح معنوں میں کشمیری مسلمانوں کا ترجمان تھا۔عبدالمجید سالک مالک روزنامہ انقلاب اور عبدالمجید قریشی کے درمیان کے مفاہمت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ وہ ان کی حکومت کشمیر کے ظلم وستم سے متعلق مستند اور ناقابل تردید معلومات مہیا کیا کریں گے۔یعنی روزنامہ انقلاب انہیں شائع کرے گا اور کسی قیمت پر بھی نامہ نگاروں اور کسی قومی کارکن کا نام افشاں نہیں کریں گے۔ چنانچہ روزنامہ انقلاب زور وشور سے اس مہم میں کود پڑا۔''زمیندار، کشمیری اخبار، سیاست، مسلم آؤٹ لک اور پیسہ'' اخبار میں ریاستی مسلمانوں کی بے کسی کے بارے اور حکومت کی عدم توجہی کے بارے میں کچھ نہ کچھ ذکر ہوتا رہتا تھا۔لیکن انقلاب کی تحریروں نے تو ایک تحریک کی صورت اختیار کر کے ہلچل مچا دی۔(۱۵) مشہور کشمیر رہنما شیخ عبداللہ بھی اپنے مضامین لکھ کر عبدالمجید قریشی کے زریعے مدیران انقلاب تک پہنچاتے تھے۔انقلاب اپنے اداریوں میں بے مثال متانت اور سنجیدگی سے حقائق کو منظر عام پر لاتا اور حکومت کی ہندونوازی سے دنیا کو روشناس کرواتا۔اس نے متعدد بار حکومت کشمیر کو دعوت دی کہ اس کے بیانات کی تردید کرے لیکن حکومت نے اس چیلنج کا کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی تردید کے لیے اس کے پاس کوئی جواب تھا۔نتیجۃً حکومت کشمیر نے ۱۹۳۱ء میں انقلاب کا ریاست میں داخلہ بند کر دیا۔ روزنامہ انقلاب کے پرچے پہلے جموں اور پھر وہاں سے سرینگر پہنچائے جاتے وہاں پر شیخ عبداللہ انہیں عوام میں تقسیم کرواتے۔ شیخ محمد عبداللہ کہتے ہیں کہ انقلاب میں مضامین کی اشاعت سے لوگوں کو بڑی ڈھارس ہو جاتی تھی کہ کشمیر کے باہر بھی ان کے حق میں آواز بلند کرنے والے لوگ موجود ہیں۔(۱۶)

حکومت کشمیر نے ۱۹۳۱ء میں اپنی ایک تحقیقی رپورٹ میں لکھا کہ لاہور کے اخبار ''انقلاب'' نے مسلمانان کشمیر کی مفروضہ مصیبتوں کی تفصیلات سے متعلق مبالغہ آمیز اور غلط معلومات شائع کیں۔ جسے ریاستی حکومت کی ساخت کو بڑا دھچکا لگا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام پریس بالخصوص پنجاب کا مسلم پریس وادی میں پیش آنے والے تمام حالات کو تفصیل سے پیش کر رہا تھا۔نتیجۃً حکومت کشمیر نے ان اخبارات کی ترسیل پر پابندی لگا دی۔لیکن انقلاب پر بندش کے باوجود مہر صاحب اور سالک صاحب نے ''کشمیری مسلمان مظلوم کشمیر اور مکتوب کشمیر'' کے نام سے پرچے نکالے۔ یہ سب ہفتہ وار اخبار تھے۔ جو کشمیریوں کی مظلومیت کے نقیب بن گئے۔لیکن حکومت نے ان سب کا ریاست میں داخلہ بند کر دیا۔(۱۷) ۱۹۳۱ء کے اوائل میں لاہور کی مسلم صحافت نے مہاراجہ اور اس کی حکومت کے خلاف تیز وتند اور زہر آلودہ مہم شروع کر دی۔ چونکہ یہ مہم حکومت کے خلاف اور کشمیری مسلمانوں کے حق میں تھی۔اس لئے اس کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی گئی۔ میر اور سالک کے قلم کا کشمیریوں پر ہمیشہ احسان رہے گا کہ انہوں نے ریاست کے اندر سیاسی بیداری پیدا کرنے میں موثر کردار ادا کیا

اور مسلم ترجمان اخبارات کو بے زبان کشمیریوں کی زبان بنا دیا۔(۱۸)

ان دنوں ایک افسوس ناک بات بھی یہ تھی کہ پنجاب و ہندوستان کے مسلم اخبارات جب مسلمانان کشمیر کی حمایت کرتے تو یہاں کے ہندو اخبارات ''ملاپ اور پرتاب'' اس کا بالکل الٹ چھاپنا شروع کر دیئے۔ یعنی کہ جب مسلم اخبارات کشمیری مسلمانوں کی مظلومیت کا ذکر کرتے تو ہندو اخبارات فوراً یہ سرخیاں چھاپنا شروع کر دیتے کہ کشمیری مسلمان مہاراجہ کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان سب مسائل و مشکلات کے باوجود مسلم پریس کا تعاون کشمیریوں کو حاصل رہا۔(۱۹)

کشمیری مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی خبریں جب مسلمانوں کی انفرادی کوششیں اخبارات کی روز افزوں سرخیوں اور مختلف اسلامی اداروں کی امدادی کاوشوں سے برصغیر کے دیگر حصوں تک پہنچی تو پنجاب بھر میں کشمیریوں کے لیے ہمدردانہ جذبات کا ایک طوفان بھرپا ہو گیا۔ علامہ اقبال اور دیگر اکابرین پنجاب کی تحریک پر ایک اپیل شائع کی گئی۔ ۲۵ جولائی ۱۹۳۲ء کو شملہ میں نواب ذوالفقار علی کی کوٹھی پر ایک اجلاس ہوا۔ جس میں اقبال کے علاوہ بہت سے مسلم رہنماؤں نے شرکت فرمائی۔ اس اجلاس میں کشمیری مسلمانوں کے مسائل و مصائب کا تدارک کرنے کے لیے ہندوستان کے اندر و باہر نشر و اشاعت کے ذریعے مہم چلانے کے لیے ''آل انڈیا کشمیری کمیٹی'' قائم کی گئی۔ میاں بشیر الدین محمود کو اس کا صدر اور علامہ اقبال کو جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ یہ کمیٹی ریاست کے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر قائم کی گئی۔ بقول سردار محمد ابراہیم خان:

> A Kashmir Committee was fromed nnder the Chairmanship of head of the Ahmadia Community to help and support this agiation for the political rights of the people in Kashmir.(20)

تحریک آزادی کشمیر کی کوششوں میں چونکہ مسلمانان پنجاب کے ساتھ قادیانی بھی پیش پیش تھے اور مرزا بشیر الدین کشمیر کو ایک خودمختار قادیانی ریاست بنانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس لئے وہ بھی کشمیری مسلمانوں کی مالی معاونت اور امداد کے لیے اس کمیٹی میں شامل تھا۔ چونکہ قادیانیوں کے انگریزوں سے خصوصی روابط تھے اور وہ مسلمانوں کی مدد کر سکتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مرزا بشیر الدین نے وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن سے ملاقات کر کے درخواست کی کہ کشمیر کے باشندوں کی حفاظت کے لیے مناسب ذرائع اختیار کئے جائیں۔ اس نے مرزا صاحب کو یقین دلایا کہ اس مسئلے پر غور کیا جائے گا۔ کمیٹی کے سیکرٹری نے مہاراجہ کشمیر کو ایک تار دیا کہ مسلمانان ہند کے ایک وفد کو کشمیر کی صورتحال کے سلسلے میں ملاقات کی اجازت دی جائے لیکن مہاراجہ نے انکار کر دیا۔ اقبال نے اس

کمیٹی میں قادیانی عنصر کی وجہ سے مجلس احرار کے اصرار پر کمیٹی سے استعفیٰ دیا۔ اقبال نے سیاست سے کنارہ کشی کے باوجود کشمیری مسلمانوں اور خاص کر اسیران کشمیر کی بھرپور مدد کی۔ اس کمیٹی کی تشکیل سے اس کے ممبران نے تحریک آزادی کشمیر کو ریاستی حدود سے نکال کر ہندوستان گیر حیثیت حاصل کروائی اور ہندوستان سے انگلستان تک مہاراجہ کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کیا۔ کشمیر کمیٹی تمام مسلمانان برصغیر کی نمائندہ تنظیم تھی۔ جس پر آل انڈیا مسلم لیگ، آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس اور دیگر انجمنوں نے اور اداروں نے بھی تائید وتعاون کا اعلان کیا۔(۲۱)

آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء کو کشمیر ڈے منانے کا اعلان کیا۔ اس دن کو کامیاب بنانے کے لیے مسلمانان کشمیر کے حامی اخبارات اور ہمدرد لوگوں کا تعاون حاصل کرنے کے لیے ایک منظّم تحریک شروع کی گئی۔ چنانچہ اس کمیٹی کی اپیل پر ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء کو ریاست بھر، ہندوستان بھر اور برما تک مظلوم کشمیریوں سے اظہار ہمدردی کے طور پر "کشمیر ڈے" منایا گیا۔ جس میں ہر فرقے اور ہر مکتبہ فکر کے مسلمانوں نے شرکت کی اور اس دن کو مکمل طور پر کامیاب بنایا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ یہ برصغیر کی تاریخ کا عجیب حسن اتفاق ہے کہ ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء کو پہلی بار "کل ہند یوم کشمیر" منایا گیا۔ عین سولہ برس کے بعد ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو رب کائنات نے برصغیر کے مسلمانوں کو پاکستان جیسی عظیم الشان نظریاتی مملکت خداداد عطا فرمائی۔ جب کشمیر کمیٹی کی تشکیل نو کی گئی تو علامہ اقبال کو اس کا نیا صدر اور ملک برکت علی کو سیکرٹری جنرل بنایا گیا۔ اگرچہ کشمیر کمیٹی نے مسلمانان کشمیر کے لیے بیت سی خدمات سرانجام دیں لیکن آخر میں یہ کمیٹی اندرونی خلفشار کا شکار ہو کر مسلمانان کشمیر کے لیے آئندہ کوئی اہم کردار ادا نہ کرسکی اور اپنا وجود کھو بیٹھی۔(۲۲)

پنجاب میں مجلس احرار ۱۹۲۹ء میں عالم وجود میں آئی تھی اور اس کا پہلا اجلاس لاہور میں ۱۱ جولائی ۱۹۳۱ء کو ہوا۔ کانگریس سے علیحدہ ہو کر ان نیشنلسٹ مسلمانوں نے ہندوستان میں مسلم کاز کو پروان چڑھایا۔ احرار کے معنی شریف اور آزاد کے ہیں۔ اس کے بانیوں میں امیر افضل حق، سید عطا اللہ شاہ بخاری، مولانا ظفر علی خان وغیرہ شامل تھے۔ مجلس احرار نے تحریک آزادی کشمیر کی حمایت میں "تحریک احرار" کا آغاز کیا۔ چونکہ تحریک کشمیر احرار کے ذہن اور طبیعت کے لیے موزوں تھی۔ اس لیے سب کو احرار سے دلچسپی ہوگئی۔ اگرچہ مجلس احرار تحریک آزادی کشمیر کے نصب العین کے حصول میں ناکام رہی مگر انھوں نے اس تحریک کا مکمل ساتھ دیا تھا۔(۲۳) مجلس احرار نے ۱۹۳۱ء میں کشمیر میں ہونے والی تحریک میں اہم کردار ادا کیا اور ڈوگرہ شاہی کے مظالم اور مسلم کش پالیسی کے خلاف بھرپور مزاحمت کی۔ محمد جاوید اقبال چاولہ لکھتے ہیں:

Majlis-e-Ahrar Islam played a significant role in the

Kashmir movement of 1931.(24)

چونکہ کشمیر کمیٹی میں احرار اور مرزائیت دو قطعی متضاد چیزیں تھیں جن کا یکجا ہونا ناممکن تھا۔ جب احراری لیڈروں نے دیکھا کہ یہ کمیٹی سراسر مرزائیت کا مرکز بنتی جا رہی ہے اس میں کثرت سے شمولیت اختیار کی تاکہ اس کمیٹی سے مرزائیوں کو خارج کیا جائے۔ جب ۱۹۳۱ء میں سانحہ ۱۳ جولائی کے بعد گرفتار کئے جانے والے کشمیری رہنماؤں کو آزاد نہیں کیا اور اس وقت کے وزیر اعظم کشمیر نے یہ اعلان کیا کہ چونکہ حکومت کی طرف سے تحقیقاتی کمیشن مقرر کر دیا گیا ہے لہذا کسی فرد واحد یا جماعت کو ریاستی معاملات میں دخل دینے کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے۔ برطانوی ہند میں لاہور کشمیریوں کی امداد کا محور و مرکز تھا۔ چنانچہ ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء کو لاہور کی تمام مسلم جماعتوں کا ایک نمائندہ اجلاس اقبال کی زیر صدارت ہوا۔ جس میں مجلس احرار نے یہ مطالبہ کیا کہ وہ مسئلہ کشمیر کو اپنے ہاتھ میں لے کر حکومت کشمیر کو اس چیلنج کا جواب دے گی۔(۲۵)

مجلس احرار نے کشمیر کے بگڑتے ہوئے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک وفد مولانا مظہر علی اظہر کی قیادت میں کشمیر روانہ کیا۔ جس نے وزیر اعظم کشمیر ہری کشن کول سے بات چیت کی مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ وفد کی ناکامی پر فوراً احراری رضا کاروں کا قافلہ کشمیر کی سرحد پر پہنچا۔ ہندوستان کے کونے کونے سے احراری رضا کار اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان رضا کاروں کے کپڑے سرخ رنگ میں رنگ دئے جاتے۔ پنجاب کے مختلف شہروں، قصبوں اور دیہاتوں سے یہ رضا کار ''کشمیر چلو'' کے نعروں کے ساتھ سیالکوٹ، جہلم اور کوہالہ کے راستے ریاست میں داخل ہو گئے۔ ان کی وجہ سے ڈوگرہ سرکار کا اندرونی نظام درہم برہم ہو گیا کیونکہ ان کی وجہ سے ریاستی جیلوں میں تل دھرنے کی جگہ نہ بچی۔ بقول سر گوفری:

> This revolt had been helped by the Muslim from Punjab who items thousands in organized group slipped though the open plans between Punjab and Jammu. They were led by a Muslim political party, The Ahrar Party.(26)

ریاست کشمیر میں احرار نے ۳ ماہ کے عرصے میں ۵۰ ہزار گرفتاریاں دے کر سول نافرمانی کا ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ آخر دیوالیہ ڈوگرہ حکومت نے بیعنامہ امرتسر کی دفعہ ۵ اور ۹ کے تحت برطانوی سرکار سے فوجی مدد طلب کی اور احرار اسلام کو ریاست سے باہر کیا۔ انگریز اس وقت بھی چال چلنے میں کامیاب رہا اور اس مدد کے عوض مہاراجہ کشمیر سے ۹۹ سال پٹے پر گلگت دینے پر اس کو رضامند کیا یہ سودا گاٹے کا ہرگز نہیں تھا۔(۲۷) چنانچہ حکومت ہند نے ایک آرڈیننس کے ذریعے حکومت پنجاب کو

حکم دیا کہ وہ اپنے علاقے سے جموں وکشمیر کی حدود میں رضا کاروں کے داخلے کو روکے۔ پنجاب کی تقریباً ساری جیلیں ان رضا کاروں سے بھر گئیں اور ریاستی حکومت کی مدد کے لیے گورا فوج کے دستے کشمیر بھیجے گئے۔ اس طرح یہ طوفان تھم گیا۔ یوں مہاراجہ کشمیر نے برطانوی حکومت کی مدد سے ایک عظیم الشان اور منظّم تحریک آزادی کو کچل دیا۔ ۱۸۴۶ء کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ ریاستی معاملات میں غیر ملکی فوج استعمال میں لائی گئی۔ بعد میں کشمیری رہنماؤں نے اس تحریک کو متوقع اصلاحات کی بنا پر معطل کر دیا۔(۲۸)

ریاستی مسلمانوں کو ایک منظّم ومضبوط اور مربوط سیاسی پلیٹ فارم مہیا کرنے کے لیے شیخ محمد عبداللہ نے مسلم زعما سے صلاح مشورہ کیا اور اس سلسلہ میں لاہور گئے اور علامہ محمد اقبال، میاں امیر الدین اور مرزا بشیر الدین سے ملاقات کی۔ ان بزرگوں نے بھی ریاستی مسلمانوں کی ایک سیاسی جماعت کے قیام پر زور دیا اور ۱۶ ستمبر ۱۹۳۲ء کو سرینگر میں ''آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس'' کے نام سے ریاست کی پہلی سیاسی جماعت معرض وجود میں آئی۔(۲۹)

تحریک آزادی کشمیر سے قبل بھی پنجاب کے باشندے کشمیر کے قدرتی حسن وجمال سے بے حد متاثر تھے۔ چنانچہ پنجابی ادب میں سب سے پہلے کشمیر کے حسن و جمال کی تعریف سید وارث شاہ نے اپنے عظیم شاہکار ''ہیر'' میں کیا۔ حضرت میاں محمد بخش نے اپنے شاہکار ''قصہ سیف الملوک اور قصہ سوہنی مہینوال''، میں کشمیر کے فطرتی حسن کی تعریف کی ہے۔

بابا پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کشمیری الاصل تھے۔ کشمیر سے ان کی محبت اور وابستگی ایک فطری امر تھا۔ انھوں نے ''ستاران دن'' میں ایک خوبصورت نظم ''کشمیر دی للکار'' کے عنوان سے شامل کی ہے۔

کر کے بھارت نوں برباد ہوناں ایں کشمیر آزاد
ظالم نے نئیں رہنا اوڑک، ظلم دا بھٹہ بہنا اوڑک (۳۰)

سانحہ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو جب کشمیری مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ تو اس وقت پنجابی شعراء کے قلم بھی خون کے آنسو رونے لگے۔ ان کے دلوں میں بھی جہاد کی آگ بھڑک اٹھی۔ چنانچہ مختلف شعراء کرام مثلاً شاہ محمد، مولوی عبداللطیف افضل، استاد کرم امرتسری، عبدالرحیم عاجز، الطاف قریشی، تنویر بخاری، نادم عصری، اختر کاشمیری، شریف صابر، حسن ملک، ڈاکٹر ریاض مجید، میاں محمد اسمٰعیل اور اختر کیانی وغیرہ، ان سب سے مسلمانان کشمیر پر ہونے والے مظالم کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کیا اور اپنے احساسات کو اشعار کے قالب میں ڈھالا اور پر جوش اشعار لکھے اور اس کا اسی شد و مد سے پنجابی نثر میں ذکر کیا گیا اور کشمیریوں کے ساتھ محبت، خلوص اور ہمدردی کا اظہار کیا گیا۔

الغرض ڈوگرہ دور میں انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں اہل ثروت اور اہل علم کشمیری ایک باضابطہ مہم کے تحت کشمیر سے نکالے گئے اور یہ سلسلہ ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ ان کشمیریوں نے پنجاب کی جانب ہجرت کی چونکہ مسلمانان کشمیر اور اہلیان پنجاب کا کئی حوالوں سے ہمیشہ ہی مضبوط تعلق رہا ہے اور بلاشبہ پنجابی مسلمانوں نے ان جلا وطن کشمیریوں کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کیئے اور نتیجۂ کشمیری مسلمانوں نے بھی ان علاقوں کو اپنی ذہانت اور ہنرمندی سے گل وگلزار بنا دیا۔ کشمیری مسلمانوں کی تعلیم و تربیت میں بہت سی پنجابی مسلم شخصیات کا عمل دخل رہا ہے۔ جسکی وجہ سے مسلمانان کشمیر کا حوصلہ و ہمت بڑھا اور کشمیر کے ڈوگرہ راج میں ریاست کی نئی ہیت تشکیل پذیر ہوئی۔ نتیجۂ ڈوگرہ مظالم کے باوجود کشمیر کے سیاسی اور سماجی حالات کسی حد تک تبدیل ہوئے اور یہاں علم و ادب کی کچھ روایات قائم ہونے لگیں اور یہ سب پنجابی مسلمانوں کی وجہ سے ممکن ہوا۔ بلاشبہ یہ دور بے مثل رہا۔

پنجابی اور کشمیری مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پرانی کہانی کے ساتھ ساتھ راستے اور رابطے بھی اختتام کو پہنچے ہیں۔ مگر ایسا کب ہوا؟ زندگی کے سفر میں نہ کہانیاں ختم ہوتی ہیں اور نہ رابطوں اور راستوں کے سلسلے منقطع ہوتے ہیں۔ ہر نئی گھڑی اک نئے رابطے کے امکانات روشن ہوتے ہیں اور زندگی کا یہ سفر جاری رہتا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ کشمیریوں اور پنجابی مسلمانوں کے درمیان ہمیشہ ہی اتحاد و اتفاق قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

☆☆☆

حوالہ جات:

۱۔ گمی، سلیم خان، کشمیر ادب وثقافت، یونیورسل بکس لاہور، ۱۹۷۷ء، ص۲۷۔

۲۔ صوفی، جی۔ایم۔ڈی، کشیر والیم ۲۔ پنجاب یونیورسٹی پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۴۸ء، ص۶۷۷۔

۳۔ محمد یوسف بخاری، ڈاکٹر، کشمیری کتھا ولسانیات، ص۵۵۔

۴۔ کیفوی، حبیب، کشمیر میں اردو، مرکزی اردو بورڈ لاہور، ۱۹۷۹ء، ص۱۷۔

۵۔ عباسی محمد سرور، ڈاکٹر، کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ادارہ مطالعہ کشمیر، ۱۹۹۲ء، ص۴۲۔

۶۔ عاصم، محمود، اقبال کے ملی افکار، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۷۷ء، ص۹۰۔

۷۔ عباسی محمد سرور، ڈاکٹر، کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ادارہ مطالعہ کشمیر، ۱۹۹۲ء، ص۴۳۔

۸۔ پیام مشرق، کلیات اقبال (فارسی) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص۲۸۵۔

9- BISCO, Tyndala, Kashmir and Sun Light and Shade, London, P.115

۱۰۔ محمد عبداللہ، شیخ، آتش چنار، چوہدری اکیڈمی لاہور، (س،ن)، ص۵۴۔

۱۱۔ نیاز الدین، سلام، ان کہی داستان کشمیر، کلاسک لاہور، ۱۹۹۳ء، ص۱۶۶۔

۱۲۔ کلیات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۹۰ء، ص۴۷۷۔

۱۳۔ تاثیر، رشید، تحریک حریت کشمیر، محافظ پبلیکیشنز سرینگر، ۱۹۶۸ء، ص۸۲

14- Bazaz, Nagin, Ahead of his Times, Sterling Publishers, New Dehli, 1983, P.339

۱۵۔ سالک، عبدالمجید، سرگزشت، قومی کتب خانہ لاہور، ۱۹۶۶ء، ص۹۱۔

۱۶۔ محمد عبداللہ، شیخ، شبستان ڈائجسٹ، ص۵۳۔

۱۷۔ بخاری، منیر احمد، کشمیر حقائق کے آئینے میں، احباب پبلشرز لاہور، ۱۹۹۸ء، ص۱۷۔

۱۸۔ بزاز پریم، ناتھ، تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر، ویری ناگ پبلشرز میرپور، ۱۹۹۲ء، ص۱۶۹۔

۱۹۔ محمود آزاد، سید، تاریخ کشمیر، ادارہ معارف اسلامیہ باغ، ۱۹۷۰ء، ص۲۱۹۔

20- Khan, Muhammad Ibrahim, Sardar, The Kashmir Saga, P.29.

۲۱۔ خیال، غلام نبی، اقبال اور تحریک آزادی، کشمیر رائٹس کانفرنس سرینگر، ۱۹۹۷ء، ص۴۲۔

۲۲۔ نیاز الدین، سلام، ان کہی داستان کشمیر، کلاسک لاہور، ۱۹۹۳ء، ص۲۱۶۔

۲۳۔ افضل حق، امیر، تاریخ احرار، مجلس احرار، ۱۹۶۸ء، ص۱۷۔

24- M. Javed Iqbal Chawala, Role of Majlis-e-Ahrar in the Kashmir

Movement 1931, P20.

۲۵۔ زاہد چوہدری، پاک بھارت تنازعہ اور مسئلہ کشمیر کا آغاز، ادارہ مطالعہ تاریخ لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۲۸۔

26- Sir, Geoffery Demontmorency, The Indian State and Indian Fedration, Cambridge University Press. 1942, P.73 26.

۲۷۔ پنڈت، خواجہ غلام احمد، کشمیر آزادی کی دہلیز پر، جنگ پبلشرز لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۹۹۔

۲۸۔ ابوزر بخاری معاویہ، سید، احرار اور سرکاری خط و کتابت بسلسلہ تحریک کشمیر، کشمیر مکتبہ مجلس احرار لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۱۰۔

۲۹۔ محمد عبداللہ، شیخ، آتش چنار، چوہدری اکیڈمی لاہور، (س،ن)، ص ۷۸۔

۳۰۔ فقیر محمد فقیر، ڈاکٹر، ستاران دن، ص ۳۰